© rasailojaraid.com

ہو جائے چنانچہ دکن روانہ ہوا بادشاہ نے نائب صوبہ دار داؤد خاں کو خفیہ لکھ بھیجا حسن علی کو ٹھکانہ لگادیا جائے چنانچہ حسن علی اور داؤد خاں میں مقابلہ خوب رہا آخرش داؤد خاں گولی کھا کر راہی ملک بقا ہوا

اس طرح میر صاحب کو خانصاحب پر فتح حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد فرخ سیر نے سردار سا ہو کو شہ دی کہ سید حسن علی کا مقابلہ کرد اس طرح مرہٹوں کے حوصلے بڑھے مگر بالاجی پیشوا حسن علی سے ملا ہوا تھا کیونکہ اس نے ترچنا پلی، تنجور، میسور وغیرہ سے چوتھ اور سردیس مکھی وصول کرنے کی خدمت کے لیئے بادشاہ سے مرہٹوں کے حق میں احکام صادر کرادیئے تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ مرہٹوں کے اس پہلے پیشواء کے علوِ مرتبت کی بنیاد ڈالنے والا سید حسن علی تھا اس بناء پر مرہٹے کاہے کو اپنے محسن سے بگاڑتے یہ تدبیر بادشاہ کی نہ چلی ان بھائیوں نے موقع پاکر فرخ سیر کے خسر راجہ اجیت سنگھ کی معاونت سے فرخ سیر کا گلا تسمہ سے گھٹوا دیا۔

محمد شاہ بادشاہ نے چین قلیچ خاں نظام الملک محمد امین خاں اعتماد الملک محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں نے سید برادران کی قوت توڑنا چاہی اکتوبر ۱۷۲۰ء کو سید حسن علی بادشاہ کو ہمراہ لیئے ہوئے دکن کی صوبہ داری پر جارہے تھے اعتماد الملک اور سعادت خاں نے راستہ میں حسن علی خاں کو میر حیدر کے ہاتھوں ٹھکانے لگوا دیا۔ سید عبداللہ دلی میں تھا وہ لڑا مگر گرفتار ہو کر قید ہوا وہیں قید ہستی سے آزاد ہوا۔

عماد الملک محمد امین خاں

فرخ سیر نے سید عبداللہ کے کہنے سے اس امیر کا درجہ بڑھایا اعتماد الملک خطاب دیا یہ صوم و صلوٰۃ کا پابند اور متشرع امیر تھا سکھوں کا زور توڑنے میں خصوصیت سے حصہ لیا یہی وہ فرد ہے جس نے سکھوں کے گرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللہ کو اس کے ظلم و ستم کی بناء پر گرفتار کر لیا تھا فرخ سیر سے ناراض ہو کر گوشہ نشین کچھ عرصہ رہا۔ محمد شاہ کے عہد میں عروج حاصل ہوا اور اول درجہ کے امراء میں شمار ہونے لگا سید حسن علیخاں کے استیصال میں بڑا حصہ محمد امین خاں کا ہے۔ سید عبداللہ خاں کے قید کئے جانے کے بعد اس کو وزارت عطا ہوئی تین ماہ سے زیادہ کام وزارت انجام نہ دے سکے درد قولنج کے بہانہ اس جہان فانی سے گذر گئے ان کے ہی صاحبزادہ وزیر قمر الدین خاں تھے۔

برہان الملک | محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں برہان الملک نیشاپور وطن تھا بسلسلہ سوداگری بہادر شاہ کے عہد میں وارد ہندوستان ہوا۔ پھر چھوٹے چھوٹے سرکاری عہدوں پر ملازم رہا سید عبداللہ کی ہم مسلکی و توجہ سے فرخ سیر کے عہد میں ہنڈون اور بیانہ کی صوبہ داری ملی۔ محمد شاہ نے سعادت خاں خطاب دیا سید حسن علی خاں کے قتل میں میر حیدر کے برابر کے شریک تھے اس صلہ میں برہان الملک خطاب پایا اور آگرہ کی صوبہ داری پر فائز ہوئے کچھ عرصہ بعد صوبہ اودھ کا اور اضافہ ہو گیا تو یہ اودھ کے انتظام کو گیا اکبر آباد میں راجہ نیلکنٹھ کو اپنا نائب کر گئے جو ایک جاٹ کی گولی کا نشانہ بنے۔ آگرہ کی صوبہ داری جے سنگھ سوائی کو مل گئی برہان الملک صرف اودھ کے صوبہ دار رہ گئے۔ مرہٹوں کی فوج نے جس کا سیلاب نظام الملک کی تحریک سے شمالی ہند کی طرف اُمنڈ آیا تھا دوآبہ گنگ و جمن میں بڑی لوٹ مار مچا رکھی تھی تو سعادت خاں نے سب کو مار کر دکن کی طرف نکال باہر کیا شاہ نادر سے دہلی کے تباہ کرانے کا باعث مورخین سعادت خاں کو قرار دیتے ہیں[1]۔ ان

---

[1] تاریخ مظفری میں ہے۔
روز دیگر فردوس آرام گاہ خلعت میر بخشی گری بہ نظام الملک فتح جنگ مرحمت فرمودند سعادت خاں برہان الملک کہ امیدوار این خدمت بود از حد کبیدہ خاطر گشت نادر شاہ را بر فتن دار الخلافہ شاہجہاں آباد ترغیب نمود حق نمک حرامی اداکرد و خزائن و دفائن آنجا گوش زد کرد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اس حرکت نے نادر کو بیزار کر دیا اور منہ پر تھوکا آخر ش زہر کھا کر دنیا سے منہ چھپا گئے یہ ۱۷۳۹ء کا واقعہ ہے بے سعادت نمک حرام بمرد ۱۱۵۲ھ

نظام الملک آصف جاہ بہادر | چین قلیچ خاں نظام الملک آصف جاہ یہ عالیجاہ تورانی سردار اورنگ زیب عالمگیر کا دربار دیکھے ہوئے تھا اس کے والد بزرگوار شہاب الدین خاں اعلیٰ درجہ کے سرداروں میں شمار تھا۔ جس وقت شہزادہ اعظم بیجاپور کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور سکندر عادل شاہ سے برسرپیکار تھا اس وقت شہاب الدین خاں اگر رسد کا اہتمام نہ کرتا تو شہزادہ کی کل فوج ضائع ہو جاتی اس خدمت کے صلہ میں عالمگیر نے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب عطا کیا، عالمگیر کے عہد میں قلیچ خاں نے کچھ ناموری حاصل کی عہد بہادر شاہی میں دکن کی نظامت اور دوسرے صوبوں کی صوبہ داری پر فائز رہا۔ جہاں دار شاہ کے عہد میں ایک ناگوار واقعہ کے پیش آنے سے گوشہ نشین ہو گئے۔

فرخ سیر کے زمانہ میں سید عبداللہ نے مالوہ کی حکومت دلوادی یہ ہر دو سید برادران نظام الملک کا بڑا احترام کرتے تھے نظام الملک نے صوبہ مالوہ کا نہایت عمدہ انتظام کیا، فرخ سیر جب سیدوں سے ناراض ہوا تو اس نے محمد امین خاں کے مشورہ سے نظام الملک کی فوج میں بہت سا اضافہ کر دیا اور سیدوں کے مقابلہ اور استیصال پر آمادہ کیا ادھر سیدوں نے نظام الملک کو لکھا کہ آگرہ۔ الہ آباد۔ برہان پور۔ ملتان ان چار صوبوں میں سے جس صوبہ کی حکومت چاہو لے لو۔ دکن کے صوبوں کا انتظام ہم خود کریں گے اور مالوہ کو اپنا قرار گاہ بنائیں گے۔ تو نظام الملک برافروختہ ہو گئے اور سخت لب ولہجہ میں انکار لکھ بھیجا۔ سید برادران آپے سے باہر ہو گئے۔ نظام الملک غافل نہ تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ

(۴)

(از جناب مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب واصفؔ دہلی)

داغ بلند قامت تھے اور جثہ قد کے مناسب تھا۔ پیشانی بلند۔ آنکھیں بڑی بڑی، ناک اونچی اور انگلیاں موٹی موٹی تھیں۔ رنگ قدرے سیاہ تھا۔ چہرے پر چیچک کے نشان تھے۔ مزاج میں شوخی، طبیعت میں روانی و بذلہ سنجی تھی۔ آداب شاہی سے تمام و کمال واقف بلکہ بعض امور میں تو انتہا درجے کے نکتہ شناس تھے اور کیوں نہ ہوتے قلعہ معلیٰ کے تربیت یافتہ تھے دربار داری کی مہارت اور نواب کی مزاج شناسی کا یہ نتیجہ تھا کہ نواب نے بیحد قدر افزائی کی ایک مرتبہ نواب نے رقعہ بھیجا جس میں یہ دریافت کیا کہ آپ کے تمام شاگردوں میں بہتر کون سا شاگرد ہے اس کے جواب میں انھوں نے کچھ لکھ کر بھیج دیا حاضرین میں سے کسی کو دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی بعد میں کسی ذریعہ سے دریافت ہوا کہ آپ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے تمام شاگردوں میں آپ سے بہتر کوئی شاگرد نہیں۔ معاذ اللہ غضب کی ذہانت حاضر جوابی اور حاضر دماغی تھی۔

نواب کی غزل کی اصلاح میں بھی ایک خاص روش تھی جس سے ان کی آداب شناسی کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے یعنی نواب کے الفاظ کو قلمزد نہ کرتے تھے بلکہ اپنا لفظ نیچے لکھ دیتے تھے۔ شعر اتنی جلدی کہتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ رامپور میں جبکہ مشاعروں کا اہتمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھیں کے سپرد ہوتا تھا انتظامی مصروفیت کے باعث غزل کہنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ جب مشاعرے کا وقت قریب آجاتا اور تمام انتظامات مکمل ہو جاتے تھے تو الگ کسی کمرے میں کسی شاگرد کو لے کر بیٹھتے شعر لکھواتے جاتے غزل مکمل ہو جاتی۔

کلکتے کے سفر میں عظیم آباد میں بھی کچھ دنوں میر باقر حسین کے مکان پر قیام کیا تھا عظیم آباد کے احباب نے گیارہ مصرعے مختلف زمینوں کے تجویز کر دیئے گیارہ اشخاص کو ایک قطار میں بٹھا دیا گیا۔ ہر شخص کو باری باری سے ایک ایک شعر لکھواتے جاتے تھے اس طرح ایک مجلس میں گیارہ غزلیں تیار ہوگئیں[۱]۔

داغ کے چار دیوان گلزار داغ آفتاب داغ مہتاب داغ یادگار داغ اور ایک مثنوی فریاد داغ ہے۔ گلزار داغ پر آپ کے عم محترم نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر کی تقریظ بھی ہے۔ جو نواب ضیاء الدین احمد خاں کے حالات میں نقل کر چکا ہوں۔

مشہور شاگرد یہ ہیں۔ سائل دہلوی بیخود دہلوی۔ نوح ناروی۔ سیماب اکبرآبادی احسن مارہروی۔ آغا شاعر دہلوی۔ حسن بریلوی۔ بیباک شاہجہاں پوری۔ فیروز رامپوری اختر نگینوی۔ عزیز حیدرآبادی ڈاکٹر محمد اقبال۔ دلیر مارہروی۔ جوش ملسیانی۔ بیخود بدایونی ہجر شاہجہانپوری۔ مبارک عظیم آبادی۔ مولانا محمد علی جوہر۔

ہندوستان میں ایسا کوئی استاد شاید ہی گذرا ہو جس کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہو۔ سنا ہے کہ تقریباً ڈھائی ہزار شاگرد تھے۔

جناب نوح ناروی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضور میدانِ حشر میں تو آپ کی ایک مستقل امت آپ کے پیچھے چلے گی۔ استاد نے فرمایا کہ جس امت میں نوح جیسے

---

[۱] یہ حالات مجھ کو حضرت نوح ناروی سے معلوم ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیغمبر تھی بلوں اُس اُمت کے کیا کہنے ہیں۔

نوح ناروی کا نمبر ایک ہزار پانچ تھا۔ آپ ۱۸۹۶ء میں داغ کے شاگرد ہوتے تھے۔ داغ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ان کی اہلیہ بھی انتقال کر چکی تھیں۔

حضرت اُستاد کا قیام حیدر آباد | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت سائل تقریباً ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد تشریف لے گئے اور حضرت داغ کے شاگرد ہو گئے ان کے خاندان کے بعض افراد ان کی اس شاگردی سے متنفر تھے۔ سائل صاحب نواب ضیاء الدین احمد خاں کے پوتے تھے جو مرزا غالب کے خاص شاگرد اور خلیفۂ اول تھے ان کی شاعری کا رنگ غالب سے ملتا جلتا تھا یعنی تخئیل کی بلندی، معنی آفرینی، اختراعِ تراکیب اور دیگر خصوصیاتِ غالب ان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ وہی رنگ بعد کے آنے والے افراد خاندان یعنی چچا، نواب احمد سعید خاں طالب اور بڑے بھائی نواب شجاع الدین خاں تاباں وغیرہم کا بھی تھا۔ سائل صاحب کے پہلے اُستاد مرزا عبدالغنی ارشد کے ہاں بھی تقریباً یہی رنگ تھا مگر داغ کے ہاں محاکات و محاورات اور زبان تھی یہاں رنگ ہی کچھ اور تھا یہ وجہ تھی کہ سائل کے تلمذِ داغ کو ان کے خاندان میں پسند نہ کیا گیا تاباں صاحب تو صاف طور پر داغ مرحوم کے کلام کو بازاری کلام کہا کرتے تھے۔

اس شاگردی کے بعد سائل کے رنگ میں تغیر واقع ہوا اختراعِ تراکیب کی جگہ محاورہ و زبان اور معنی آفرینی کی جگہ محض زود گوئی کی طرف رجحان ہوا یہ حقیقت ہے کہ اگر مرزا عبدالغنی ارشد کے بعد دوسرا اُستاد بھی ارشد ہی جیسا مل جاتا تو آج دنیائے ادب کو مرزا غالب کا نظیر تلاش کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی مگر باوجود اس کے۔

سائل کی فکر رسا نے اپنے خاندانی رنگ اور داغ کے رنگ کو سمو کر ایک ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنگ تغزل ایجاد کرلیا جو مومن کے قریب قریب تھا۔ ان کے کلام میں شوخی بھی ہے، تصوف بھی ہے، معنوی بلند پردازی بھی ہے شوکت الفاظ بھی ہے، محاورہ بھی ہے زبان بھی ہے غرضکہ اعتدال کے ساتھ وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو مومن کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

داغ نے آخر عمر میں بہت سے نومشق شاگردوں کو سائل کے سپرد کر دیا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بات اڑائی کہ سائل کو داغ غزل کہہ کے دیتے ہیں۔ جب یہ خبر سائل صاحب تک پہنچی تو انھوں نے مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا۔ آخر ایک مرتبہ کسی بڑے مشاعرے میں جس میں داغ بھی شریک تھے ان کو زبردستی کھینچا گیا۔ انھوں نے اس شرط پر شرکت قبول کی کہ کوئی مصرع سر مشاعرہ دیا جائے اور مشاعرے ہی میں سب کے سامنے غزل لکھ کر پڑھوں چنانچہ داغ نے مصرع دیا سائل نے غزل کہہ کر پڑھی۔ اس غزل کا ایک شعر یہ ہے:-

کرتے ہیں بات بات میں وہ دل لگی کی بات ۔۔۔ مطلب اڑائے دیتی ہے سارا ہنسی کی بات[1]

اس میں شک نہیں کہ سائل زود گوئی میں داغ سے کم نہ تھے۔ چنانچہ حکیم اجمل خاں کی محفلوں میں بھی اکثر سائل کے اس کمال کا اظہار ہوا ہے مگر جو کلام محض زود گوئی کی مہارت کے اظہار کے لئے کہا گیا ہو اس میں زبان و محاورہ کے علاوہ کسی اور چیز کی آمد مشکل ہوتی ہے۔ فرمائشیں اور وقتی ضرورتیں شاعری کی مٹی پلید کر دیتی ہیں۔ یہ سائل کی خصوصیت ہے کہ ایسی فرمائشی اور وقتی غزلوں میں بھی زبان کی چاشنی اور بندش کی چستی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

اسی زمانے میں سائل نے حیدرآباد سے رسالہ "معیار الانشاد" جاری کیا جو تقریباً ۱۹۰۶ء تک جاری رہا اس رسالے میں ایک مصرع طرح آئندہ نمبر کے لئے شائع کر دیا تا تھا اس پر داغ کے شاگرد طبع آزمائی کر کے سائل کے پاس اپنی غزلیں بھیج دیتے تھے۔

---

[1] یہ واقعہ محب محترم مولوی محمد حسن صاحب اختر تلمیذ حضرت سائل نے مجھ سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خود استاد مرحوم نے بیان کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائل صاحب مختلف اوقات میں استاد کو دکھا کر تمام غزلیں رسالے میں شائع کر دیا کرتے تھے۔ داغ صاحب کے انتقال کے بعد یہ رسالہ کچھ عرصہ تک تو جاری رہا مگر حالات کے ناموافق ہو جانے کی وجہ سے آخر بند ہو گیا۔

حیدر آباد میں سائل مع اپنے اہل و عیال کے اسی کوٹھی میں رہتے تھے جہاں استاد داغ قیام پذیر تھے یہ کوٹھی ترپ بازار میں عابد شاپ کے متصل واقع تھی، اس کا کرایہ حضور نظام خود ادا کیا کرتے تھے سائل صاحب اوپر کی منزل میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں سائل صاحب اور ان کی بیگم صاحب اور مرزا ناصرالدین کے (جو سائل صاحب کے بھتیجے اور سوتیلے بیٹے ہیں) وظائف کی آمدنی تقریباً دس گیارہ سو روپئے ماہوار ہو جاتی تھی (اس زمانے کے دس سو روپئے بلا مبالغہ آجکل کے دس ہزار روپئے کے برابر تھے)

یہ خاندان نہایت عزت و وقار کے ساتھ حیدر آباد میں رہا ان کی اپنی ذاتی گاڑی تھی رئیس کا بھی شوق تھا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اس فارغ البالی و تنعم اور رسوخ و وقار کے آپ کا چال چلن مضبوط رہا۔ حضرت نوح ناروی نہایت وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حیدر آباد کے قیام کے زمانے میں صرف دو ایسے شخص تھے جو ریاستی تعیش کی فضاء سے بالکل محفوظ رہے ایک تو جناب سائل اور دوسرے احسن مارہروی۔

ایک مرتبہ خود سائل صاحب نے راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ میں ایسے ایسے بلانوشوں کی صحبتوں میں رہا ہوں جو شراب سے حوض بھروا کر غوطہ لگاتے تھے۔ مگر میں نے آج تک ایک قطرہ بھی نہ چکھا۔ بڑی صاحبزادی قدسیہ بیگم حیدر آباد میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئیں۔ جب دہلی واپس ہوئے اس وقت صاحبزادی کی عمر ۴ برس تھی۔

حیدر آباد کے متفرق واقعات | مرزا خورشید عالم جو مرزا فخرو ولی عہد کے فرزند داغ صاحب کی والد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بطن سے تھے، ان میں اور سائل صاحب میں ایک مرتبہ لفظ "چھان بین" کے متعلق اختلاف ہوا۔ مرزا خورشید عالم کا دعویٰ تھا کہ "چھان بین" غلط ہے "چھان بنان" صحیح ہے۔ اور سائل صاحب اس کے برخلاف دعویٰ رکھتے تھے دونوں نے اس اختلاف کو اُستاد داغ کے سامنے پیش کیا اُستاد نے فرمایا کہ دونوں صحیح ہیں مگر "چھان بنان" خاص قلعۂ معلیٰ کا محاورہ ہے قلعہ کے باہر مقبول نہیں ہوا اور "چھان بین" شہر کا محاورہ ہے۔

جناب نوح ناروی حیدرآباد سے ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اپنے وطن واپس آ گئے تھے ان کا اور سائل صاحب کا ساتھ تقریباً ۷ مہینے رہا سائل صاحب کی بڑی صاحبزادی قدسیہ بیگم کو نوح صاحب نے گودوں میں کھلایا ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بچی میری گود سے گر پڑی تھی جس کا مجھے آج تک افسوس ہے۔

ایک مرتبہ اُستاد ظہیر اور اُستاد داغ میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی اس کو دور کرنے اور دونوں اُستادوں کو گلے ملوا دینے کی خاص کوشش سائل صاحب نے کی تھی۔ قصہ یہ تھا کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد کے منصب یاب اُستاد ظہیر بھی تھے اور ایک فارسی شاعر معروف بہ ترکی بھی۔ ترکی صاحب نے اُستاد داغ سے کہا کہ اُستاد ظہیر کے حیدرآباد آنے کا منشاء آپ کی جگہ حاصل کرنا ہے۔ داغ صاحب ظہیر کی طرف سے بدگمان ہو گئے ظہیر کی آمد و رفت داغ کے ہاں بہت زیادہ تھی اور کافی میل جول تھا۔ اس ریشہ دوانی کے بعد ظہیر نے ان کے طرزِ عمل اور اندازِ گفتگو میں بہت بے رُخی اور روکھا پن محسوس کیا۔ تو اپنی خودداری کا خیال کرتے ہوئے آنا جانا کم کر دیا۔ مگر اصل معاملے کا علم نہ تھا۔

سائل ظہیر کے ہاں بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک روز دریافت کیا کہ آپ "چچا جان" کے ہاں پہلے تو اکثر تشریف لاتے تھے۔ اب بہت کمی ہو گئی۔ کیا بات ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا کہ بھئی! تمہارے چچا جان نے میرے ساتھ کچھ اپنا طرزِ عمل بدل دیا ہے۔ اور کئی مرتبہ مجھ سے کچھ اُکھڑی اُکھڑی باتیں کیں۔ میں یہ تو نہیں سمجھ سکا کہ یہ تبدیلی کیوں ہے مگر آمد و رفت اس لئے کم کر دی ہے کہ میرا آنا ان کو زیادہ ناگوار نہ ہو۔

سائل نے ایک روز مناسب موقع دیکھ کر اُستاد سے دریافت کیا کہ چچا جان پہلے تو ظہیر صاحب سے آپ کے بہت مراسم تھے۔ مگر اب عرصے سے کچھ کم ہو گئے ہیں ظہیر صاحب بھی اب نہیں آتے کیا بات ہے؟

استاد نے فرمایا ارے بھئی وہ تو میری جگہ لینے آئے ہیں سائل نے کہا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا فرمایا کہ تر کی کہہ گیا ہے۔ سائل نے تاڑ لیا کہ یہ محض ریشہ دوانی اور بہتان ہے چنانچہ ظہیر سے یہ ماجرا بیان کیا انھوں نے حلف اُٹھایا اور کہا کہ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی یہ محض بہتان ہے۔ اور پھر سائل اور ظہیر داغ کے ہاں گئے۔ وہاں بھی ظہیر نے حلف اُٹھایا دونوں اُستاد گلے مل کر خوب روئے اور ایک طویل عرصے کی کدورت دور ہو گئی اس طرح سائل کی بدولت ترکی کی ترکی تمام ہوئی[1]

اُستاد ظہیر کے نواسے سید اشتیاق حسین صاحب المتخلص بہ شوق جو آج کل ہمدرد دواخانے میں کام کرتے ہیں یہ بھی اس زمانے میں وہیں تھے۔ ۱۲-۱۳ برس کی عمر تھی شعر بھی کہتے تھے۔ داغ نے ظہیر سے کہا کہ اس لڑکے کو میرے سپرد کر دیجئے۔ استاد ظہیر نے فرمایا کہ میں تو اس سے خود ہی کہتا ہوں کہ اُستاد داغ کے پاس جایا کرو۔ داغ صاحب نے کہا کہ آپ اس کو اصلاح نہ دیا کیجئے پھر یہ خود میرے پاس آیا کریگا۔ چنانچہ شوق صاحب استاد داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت سائل بھی موجود تھے انھوں نے کہا کہ میں لغیر مٹھائی

---

[1] حسب روایت جناب نوح ناروی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ہرگز شاگرد نہ ہونے دوں گا۔ مگر شوق صاحب کے پاس رقم نہ تھی۔ سائل صاحب نے دو روپیے دے کر مٹھائی منگائی۔ اور اس طرح شاگردی کی رسم ادا ہوئی۔[1] اسی زمانے میں جبکہ سائل صاحب حیدرآباد میں مقیم تھے "فصیح اللغات" مرتب ہو رہی تھی۔ یہ عجیب وغریب ڈکشنری احسن صاحب مارہروی مرتب کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لغات کے معانی ومطالب احسن لکھتے تھے اور داغ کے سامنے پیش کرتے تھے اور وہ مختلف معانی ومطالب کے لئے بطور سند اساتذہ متقدمین سے کسی کا شعر یا اپنا کوئی شعر لکھوا دیتے تھے۔ یا فوراً کوئی شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ "یادگار داغ" جو داغ کا چوتھا دیوان احسن نے مرتب کیا ہے اس میں جو متفرق اشعار ہیں وہ تقریباً سب اسی مقصد کے پیش نظر کہے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ سائل نے استاد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اپنے چند معتمد شاگردوں کو چند ردیفیں تقسیم کر دیں تو اس طرح کام بہت جلد مکمل ہو جائیگا اور کتاب جلدی شائع ہو سکیگی اس تجویز کو چونکہ احسن صاحب نے منظور نہیں کیا اس لئے داغ صاحب بھی خاموش ہو گئے افسوس کہ کتاب "فصیح اللغات" نامکمل رہی یعنی ردیف جیم تک لکھی گئی اور دنیائے ادب اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ گئی۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا ایک روز سائل احسن اور چند دیگر حضرات موجود تھے استاد داغ نے اتفاقاً احسن کی طرف مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ تمہارے ہاں نیچہ کیسا ہوتا ہے؟ احسن صاحب نے کہا ہمارے ہاں قفلی جلیبی دار ہوتی ہے سائل صاحب نے مزاحاً کہا کہ فصیح اللغات کے مؤلف ہو کر "جلیبی دار" کہتے ہو۔ اس پر احسن صاحب کبیدہ خاطر ہوتے اور فصیح اللغات کے متعلق سائل صاحب کی تجویز کا معاملہ

---

[1] یہ واقعہ خود شوق صاحب نے بیان کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ پہلے گذر چکا تھا اس لیئے یہ بات احسن صاحب کو ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی ہی رہی مگر آپس میں اتفاق و اتحاد قایم رہا۔ اور جو لوگ اس واقعے سے ناواقف تھے وہ محسوس نہ کر سکتے تھے کہ ان دونوں میں کچھ کبیدگی بھی ہے[1]

سائل صاحب کے قیام حیدر آباد کا زمانہ تقریباً ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۵ء تک کا زمانہ ہے اس عرصے میں داغ صاحب کے چند مشہور شاگرد جو وہاں موجود تھے مندرجۂ ذیل ہیں:۔

احسن مارہروی۔ بیدل شاہجہانپوری۔ نواب حسن علیخاں امیر۔ نواب عزیز یار جنگ عزیز۔ مرزا مظفر حسین بارق۔ مستجاب خاں خلق۔ حافظ محی الدین محفوظ۔ ڈاکٹر مہدی حسن الم شہزادہ منیر الدین ضیاء۔ امراؤ مرزا ناداں۔ نواب عزیز جنگ ولا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سائل صاحب کے متعلق جو افواہ حیدر آباد میں اُڑی تھی کہ اُستاد داغ ان کے لئے غزل کہہ دیتے ہیں اس کی بنیاد غالباً یہ تھی کہ مشاعروں میں داغ کی غزل بھی سائل ہی پڑھا کرتے تھے اور حضور نظام کی غزل پڑھنا بھی سائل کے سپرد تھا اور اپنی غزل تو خود پڑھتے ہی تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ آپ کا انداز غزل خوانی آج تک مشہور ہے۔ بہر حال یہ افواہ حضور نظام تک بھی پہنچی حضور نظام نے استاد داغ سے فرمایا کہ آپ اپنے بھتیجے کو لے کر آیئے داغ ان کو لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔ اعلیحضرت نے ان سے کچھ پڑھنے کی فرمائش کی سائل نے عرض کیا کہ چچا جان نے مجھے آج ہی دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے دربار کے شایان شان میں کچھ نہ لکھ سکا میری تمنا ہے کہ دربار میں کلام پیش کروں تو بندگانِ عالی کی مدح و ستایش سے ابتداء ہو۔ حکم ہوا کہ اچھا جاؤ ۴ بجے حاضر ہونا۔ اعلیٰ حضرت نے سائل صاحب کو رخصت کر دیا اور استاد داغ کو اپنے پاس ہی رکھا۔ دو تین گھنٹے میں ایک طویل مدحیہ لکھ کر

---

[1] حسب روایت جناب نوح ناروی

© rasailojaraid.com